OPEN ACCESS
Al-Aẓvā الاضواء
ISSN 1995-7904 ;E 2415-0444
Volume 40, Issue, 63, 2025
www.aladwajournal.com

سر جیمز جارج فریزر کی کتاب "شاخِ زریں" میں اساطیر: ایدونس کے اسطورہ کا مطالعہ

Mythology in Sir James George Frazer's "The Golden Bough":A Study of the Myth of Adonis

Ameer hamza Naz
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies
Bahauddin Zakaria University, Multan, Pakistan

Jameel Ahmad Nutkani, Assistant Professor
Department of Islamic Studies
Bahauddin Zakaria University, Multan, Pakistan

KEYWORDS

Myth of Adonis, Religions of Syria and Cyprus, Religious prostitution, Royal wedding rules.

Date of Publication: 30-06-2025

Abstract

This article focuses on the myths described in Sir James George Frazer's famous work The Golden Bough, specifically the "Myth of Adonis". Adonis is an ancient mythological figure, associated with the concepts of fertility, death, and rebirth. This myth is found in the religions of Syria and Cyprus. Ancient customs, such as sacrifice, religious prostitution, and the rules of royal marriages, were linked to this belief. This article attempts to examine the religious and cultural concepts of ancient civilizations from a modern perspective. It sheds light on the evolution of religion, magic, and science throughout human history.

تعارف

انسانیت کے علم میں پچھلے سو سال میں جو انقلاب آیا ہے اس میں سر جیمز جارج فریزر کی تصنیفات کو بہت بڑا دخل ہے۔ سر جیمز فریزر پہلے مصنف تھے جنھوں نے دنیا کے مذاہب کا مطالعہ اس نظر سے کیا کہ ان کے عقائد اور ان کی رسموں کو سچا یا جھوٹا ثابت کرنے کی بجائے سامنے رکھ کر یہ دیکھا جائے کہ ان میں کون کون سی چیزیں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں تاکہ یہ دریافت ہو سکے کہ مذہب کے متعلق انسانی فکر کا ارتقاء کیسے ہوا۔ شاخِ زریں دیو مالا اور مذہبی رسوم کا ایسا مطالعہ ہے جس نے علم الانسان، قدیم تاریخ اور یورپ و ایشیاء کے عوام کے عقائد، قصے کہانیوں اور رواجوں سے پورا فائدہ حاصل کیا ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "شاخِ زریں جادو اور مذہب کا مطالعہ" ہے۔ جس مواد کو مصنف نے منظم کیا اور پرکھا ہے۔ مذہب کے متعلق ان کے نظریات از حد دلچسپ ہیں۔

شاخِ زریں کا تمام تر تعلق گزشتہ زمانے سے ہے۔ روئے زمین پر ہر سال جو تغیرات اور تبدیلیاں رونما ہوتی تھیں ان تبدیلیوں نے ہر دور کے انسان کو متاثر کیا اور اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ اور اس طرح ان تبدیلیوں سے خوف زدہ ہو کر انہوں نے اپنی زندگی کا دارومدار فطرت کی زندگی کو سمجھ لیا اور ان کو معبودوں کا درجہ دے دیا اور پوجا شروع کر دی اور کبھی ان تغیرات پر قابو پانے کے لیے جادو منتر کی طرف مائل ہوئے اور پھر نوعِ بشر کا سنجیدہ طبقہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ یہ تغیرات محض جادو منتر سے ممکن نہیں ہیں بلکہ فطرت کے ان بدلتے ہوئے مناظر کے پیچھے کوئی اندرونی عمل کار فرما ہے اور اس طرح وہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرنے لگے اور انہیں سے التجائیں کرنے لگے۔ بابل اور شام کی سامی قومیں ایدونس بادشاہ کی پوجا کرنے لگی اور ساتویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ یونانیوں نے بھی ان کی پرستش شروع کر دی۔ قبرص میں ایدونس اور ان کی بیوی افرودیتی کو دیوی دیوتا کا درجہ دیا گیا۔ جنسی تعلق اور زنا جیسے فعل کو دیوی دیوتا کی خوشنودی سمجھتے ہوئے انہیں عبادت کا درجہ دیا اور بادشاہت کے نظام کو چلانے کے لیے محرم عورتوں سے شادی بیاہ کو لازمی قرار دیا۔ مقالہ ہذا میں سر جیمز جارج فریزر کی کتاب شاخِ زریں میں ایدونس کا اسطور کا جائزہ لیا جائے گا۔

سر جیمز جارج فریزر کا تعارف

سر جیمز جارج فریزر ایک اسکاٹش ماہرِ بشریات اور لوک داستانوں کے محقق تھے۔ وہ یکم جنوری ۱۸۵۴ء کو گلاسگو کے شہر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گلاسگو، اسکاٹ لینڈ میں حاصل کی۔ بعد ازاں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرینیٹی کالج (Trinity College) میں داخلہ لیا، جہاں انہوں نے کلاسیکی علوم میں مہارت حاصل کی۔ فریزر نے ۱۸۷۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ انہوں نے یونانی اور لاطینی ادب میں گہری دلچسپی لی، جو بعد میں ان کے بشریاتی اور اساطیری مطالعات میں مددگار ثابت ہوئی۔ ان کے تحقیقی سفر کا آغاز اس

وقت ہوا جب وہ قدیم مذاہب اور جادوئی عقائد کے تقابلی مطالعے میں مشغول ہوئے۔ وہ کیمبرج میں کلاسیکی علوم کے استاد بھی رہے اور اپنی بیشتر علمی تحقیق یہیں مکمل کی۔ فریزر نے قدیم تہذیبوں، دیومالائی روایات اور مذہبی ارتقاء پر تحقیق کے لیے بنیادی طور پر تحریری ذرائع اور دوسری زبانوں کے تراجم پر انحصار کیا، کیونکہ وہ خود زیادہ تر فیلڈ ریسرچ میں شامل نہیں ہوئے۔ تاہم ان کے کام نے جدید بشریات اور مذاہب پر گہرا اثر ڈالا۔[1] فریزر نے ۱۹۳۰ء میں بینائی کھو دی اور ۷ مئی ۱۹۴۱ء کو کیمبرج میں وفات پائی۔

سر جیمز جارج فریزر کی علمی اور تحقیقی خدمات

سر جیمز جارج فریزر کو بشریات (anthropology)، اساطیر (mythology)، مذاہب، اور قدیم ثقافتی روایات کے مطالعے میں ان کے انقلابی کام کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف شاخِ زریں(The Golden Bough) ہے جس میں انہوں نے مذہب، جادو، اور سائنس کے درمیان تعلقات کو بیان کیا۔ فریزر نے دنیا بھر کے مذہبی اور اساطیری عقائد کا موازنہ کیا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ انسانی عقائد ارتقائی مراحل سے گزرتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا کہ مختلف ثقافتوں میں مذہبی و جادوئی رسومات کی مماثلت ایک گہرے انسانی نفسیاتی اور سماجی ڈھانچے کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے نظریات نے نہ صرف بشریات بلکہ ادب اور فلسفے پر بھی اثر ڈالا۔ جیمز جوائس، ٹی ایس ایلیٹ، ولیم بٹلر ییٹس، اور جوزف کونراڈ جیسے بڑے مصنفین نے ان کے کام سے استفادہ کیا۔[2] 1914 میں انہیں "سر" کا خطاب دیا گیا۔ انہیں کئی یونیورسٹیوں نے اعزازی ڈگریاں دی۔ وہ برٹش اکیڈمی کے رکن بھی رہے۔ سر جیمز جارج فریزر کی خدمات نے مذہب، ثقافت اور اساطیر کے مطالعے میں ایک نئی جہت پیدا کی۔ ان کا کام آج بھی سماجی و بشری علوم میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور جدید محققین کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ان کے کام نے نہ صرف انسانیت پر بلکہ ادب، فلسفہ اور تاریخ پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ مشہور مصنفین جیسے جیمز جوائس اور ٹی ایس ایلیٹ نے ان کے خیالات سے متاثر ہو کر اپنے کاموں میں ان کا حوالہ بھی دیا۔[3]

شاخِ زریں

شاخِ زریں "(The Golden Bough) سر جیمز جارج فریزر کی مشہور تصنیف ہے، جو 1890 میں پہلی بار شائع ہوئی۔ جس کا اردو ترجمہ سید ذاکر اعجاز نے کیا۔ وقت کے ساتھ اس میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۱۵ء تک یہ کتاب ۱۲ جلدوں میں شائع ہوئی اس کتاب کا پورا نام "شاخِ زریں، جادو اور مذہب کا ایک مطالعہ" ہے۔ جس میں قدیم تہذیبوں کی رسومات، مذہبی تصورات، اور جادوئی روایات کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مذہب، جادو، اور اساطیر کے تقابلی مطالعے پر مبنی ہے اور جدید بشریات (Anthropology) میں ایک سنگِ میل تصور کی جاتی

ہے۔ فریزر نے قدیم اطالوی دیومالا میں موجود "نیمی کے بادشاہ" (King of the Wood) کے افسانے سے کتاب کا عنوان لیا، جس میں ایک مقدس درخت کی شاخ توڑنے والا ہی بادشاہ بن سکتا تھا۔[4] اس کتاب کے اہم موضوعات مندرجہ ذیل ہیں:

قربانی اور بادشاہت: قدیم تہذیبوں میں بادشاہوں کو دیوتا تصور کیا جاتا تھا اور انہیں قربانی کے طور پر مار دیا جاتا تھا تاکہ زمین زرخیز رہے۔

زراعت اور جادو: فریزر نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زراعت سے وابستہ قدیم معاشروں میں اچھی فصل کے لیے جادوئی رسومات انجام دی جاتی تھیں۔ مثلاً، یونانی دیومالا میں دیوی ڈیمیٹر (Demeter) اور پرسیفونی (Persephone) کے قصے میں زمین کی زرخیزی اور فصلی دیوتاؤں کے درمیان گہرا تعلق ہے۔[5]

تجسیم اور علامتی روایات: کئی تہذیبوں میں فصلوں کی کاشت، موت اور دوبارہ جنم کی اساطیر مشترک ہیں، جیسے کہ اوسائی رس (مصر)، ایدونس (یونان)، اور کرشنا (ہندوستان) کی کہانیاں۔

شاخِ زریں محض ایک کتاب نہیں بلکہ مذہب، جادو، اور انسانی عقائد کی تاریخ کا ایک وسیع تجزیہ ہے۔ اس نے قدیم اور جدید ثقافتوں کے درمیان گہرے تعلقات کو اجاگر کیا اور سماجی علوم میں ایک نئی فکری جہت متعارف کرائی۔ یہ کتاب جدید بشریات، مذہبیات، اور اساطیر کے مطالعے میں ایک بنیادی ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ اس نے مذہب کے سائنسی مطالعے کے لیے ایک بنیاد فراہم کی، جس سے بعد کے ماہرین بشریات نے استفادہ کیا۔[6]

کتاب (شاخِ زریں) لکھنے کا مقصد:

جیمز جارج فریزر نے "شاخِ زریں" (The Golden Bough) اس مقصد کے تحت لکھی کہ وہ مختلف تہذیبوں کے مذہبی، جادوئی، اور اساطیری عقائد کا تقابلی مطالعہ کر سکیں۔ ان کی کوشش تھی کہ وہ یہ ثابت کریں کہ انسانی عقائد اور رسومات کسی خاص قوم یا مذہب تک محدود نہیں، بلکہ ایک عالمی اور ارتقائی رجحان کا حصہ ہیں۔ کتاب لکھنے کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

1. فریزر کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ انسانی تہذیب تین مراحل سے گزرتی ہے:

جادو (Magic): انسان فطرت پر قابو پانے کے لیے جادوئی طریقے اپناتا ہے۔

مذہب (Religion): جب جادو ناکام ہوتا ہے، تو انسان دیوتاؤں اور عبادات کی طرف رجوع کرتا ہے۔

سائنس (Science): آخر میں انسان عقلی اور سائنسی طریقوں سے قدرت کے قوانین کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

فریزر نے ان تین مراحل کو ثابت کرنے کے لیے دنیا بھر کے ثقافتی اور مذہبی تصورات کا موازنہ کیا۔[7]

2. فریزر نے مختلف قدیم تہذیبوں کی رسومات، قربانیوں، دیومالاؤں، اور مذہبی روایات کا مطالعہ کیا تاکہ یہ دکھایا جاسکے کہ جدید مذاہب کی جڑیں بھی انہی قدیم رسومات میں پیوستہ ہیں۔ مثلاً وہ مسیحیت کے کئی تصورات کو قدیم دیومالائی کہانیوں سے جوڑتے ہیں جیسے کہ قربانی، مردہ دیوتا کا دوبارہ زندہ ہونا، اور زرخیزی کی رسومات۔[8]

3. فریزر نے ثابت کیا کہ قدیم تہذیبوں میں بادشاہوں اور مذہبی پیشواؤں کو خدائی شخصیت مانا جاتا تھا۔ بعض جگہوں پر انہیں قربانی کے طور پر قتل کر دیا جاتا تھا تاکہ زمین زرخیز رہے اور فطرت کی قوتیں خوش رہیں۔ انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ یہ رسومات آج بھی مختلف شکلوں میں موجود ہیں، اگرچہ ان کے معانی اور طریقے تبدیل ہو چکے ہیں۔[9]

4. فریزر نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دنیا کے مختلف حصوں میں پائی جانے والی کہانیاں، رسومات، اور عقائد ایک جیسے ہیں۔ مثلاً: مصری دیوتا اوسائی رس، یونانی دیوتا ایدونس اور ہندوستانی کرشنا کی کہانیوں میں حیرت انگیز مماثلت ہے۔ زراعتی تہذیبوں میں فصل کی موت اور دوبارہ اگنے کو "زندگی اور موت" کے دیومالائی تصورات سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ تحقیق سماجی علوم میں تقابلی اساطیر (Comparative Mythology) کے ایک نئے باب کی بنیاد بنی۔[10]

5. فریزر کا مقصد صرف ماضی کا مطالعہ نہیں تھا بلکہ انسانی شعور کے ارتقا کو سمجھنا تھا۔ وہ مذہب اور جادو کو سائنسی نقطہ نظر سے دیکھنے کے حامی تھے اور یہ دکھانا چاہتے تھے کہ کس طرح انسانی ذہن وقت کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔

شاخِ زریں محض ایک تاریخی یا مذہبی کتاب نہیں، بلکہ سماجی ارتقا اور ثقافتی ترقی کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ فریزر نے یہ کتاب اس لیے لکھی تاکہ وہ یہ دکھا سکیں کہ انسانی معاشرے میں جادو، مذہب اور سائنس ایک تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور آج بھی ہمارے عقائد اور روایات میں ان کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

اساطیر کا تعارف

اساطیر ان کہانیوں، روایتوں یا قصوں کو کہتے ہیں جو کسی قوم، معاشرے یا ثقافت میں صدیوں سے چلی آرہی ہوں اور عام طور پر دیومالائی، مذہبی، یا مافوق الفطرت عناصر پر مشتمل ہوں۔ یہ کہانیاں کسی معاشرے کے عقائد،

اقدار، دیوتاؤں، مافوق الفطرت مخلوقات یا کائنات کی تخلیق کے بارے میں خیالات کی وضاحت کرتی ہیں۔[11] اساطیر میں اکثر دیوی دیوتاؤں، ہیروز، مافوق الفطرت مخلوقات اور حیرت انگیز کارناموں کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً یونانی اساطیر میں زیوس، ہرکولیس اور ٹرائے کی جنگ کی کہانیاں مشہور ہیں اردو میں "اساطیر" کا مطلب بعض اوقات "من گھڑت کہانیاں" یا "قصے کہانیاں" بھی لیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن میں اَساطیر الاَولین کا ذکر ہے(وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا)[12] "جس کا مطلب ہے "پہلوں کی کہانیاں" یا "گزشتہ قوموں کے افسانے"۔

ایدونس کا اسطورہ

ایدونس یونانی اساطیر میں حسن، زرخیزی اور بہار کا ایک مشہور کردار ہے، جو اپنی غیر معمولی خوبصورتی اور المناک داستان کی وجہ سے معروف ہے۔ ایدونس کو بابل اور شام کی سامی قومیں پوجا کرتی تھیں۔ اور اس کی کہانی زندگی، موت اور دوبارہ جنم لینے کے تصورات سے جڑی ہوئی ہے۔ اور ساتویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ یونانیوں نے بھی ان کے اتباع میں اس کی پرستش شروع کر دی۔ اس دیوتا کا صحیح نام تموز (Tammuz) تھا اس کا دوسرا نام ایدونس (Adonis) محض سامی لفظ عدون یا ادون بہ معنی مالک یا آقا کے سوا کچھ نہیں، جس سے اس کے پوجنے والے اس کو مخاطب کیا کرتے تھے۔[13] ایدونس کی موت اور جی اٹھنے کی تقریب بھی پودوں کی زندگی کے زوال اور احیاء کی نمائندگی کرتی رہی ہوگی کیونکہ پودوں کے ساتھ اس کی وابستگی اس کی پیدائش کی عام کہانی میں ایک دم سامنے آتی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مرر کے درخت سے پیدا ہوا تھا جس کی چھال دس ماہ کے حمل کے بعد پھٹتی، جس نے خوبصورت شیر خوار بچہ کو جنم دیا تھا۔ کچھ کے مطابق اس کی ماں مرر نامی ایک عورت تھی جو حاملہ ہونے کے فوراً بعد مرر کے درخت میں تبدیل ہوگئی تھی۔[14]

ایدونس اور دیویوں کی محبت

افرودیتی حسن اور محبت کی دیوی، ایدونس کی غیر معمولی خوبصورتی سے متاثر ہوگئی اور اسے پالنے کے لیے لے گئی۔ لیکن پرسفونی (Persephone) مردوں کی دنیا کی ملکہ نے بھی اس پر دل ہار دیا اور اسے اپنے پاس روک لیا۔ موت اور عشق کی دیویوں کا قضیہ چکانے کے لیے زیوس نے یہ فیصلہ کیا کہ ایدونیس سال کا ایک تہائی حصہ پرسفونی کے ساتھ ایک تہائی حصہ افرودیتی کے ساتھ اور باقی اپنی مرضی سے گزارے گا۔[15]

ایدونس کی موت اور دوبارہ جنم لینے کا تصور

ایدونس شکاری تھا اور اکثر جنگل میں شکار کھیلنے جاتا تھا۔ ایک دن ایک طاقتور جنگلی سور یا ایریس (جنگ کا دیوتا

جو افرودیتی کا عاشق تھا) نے جوشِ رقابت میں جنگلی سور کا بھیس بدل کر اس پر حملہ کر دیا۔ اور آخر کار دم توڑ گیا ایدونس کے خون سے جو زمین پر گرا وہاں سرخ پھول اگ آئے افرودیتی جب زخمی ایدونس کے پاس پہنچی تو وہ مر چکا تھا افرودیتی نے زیوس سے فریاد کی جس پر رحم کھاتے ہوئے زیوس نے ایدونس کو سال کے کچھ مہینوں کے لیے دوبارہ زمین پر آنے کی اجازت دے دی۔[16] یہ واقعہ موسموں کی تبدیلی کی علامت بنا جب ایدونس زندہ ہوتا تو بہار اور گرمی کا موسم آتا۔ جب وہ مرتا، تو خزاں اور سردی آتی۔ یہ تصور قدرت کے زندگی، موت اور دوبارہ پیدائش کے دائمی چکر کی نمائندگی کرتا ہے، جو بعد میں کئی مذاہب اور ثقافتوں میں پایا گیا۔[17]

ایدونس کی عبادت اور تہوار

قدیم یونانی اور مشرق وسطیٰ کی ثقافتوں میں ایدونس کے اعزاز میں "ادونیا" (Adonia) تہوار منایا جاتا تھا۔ اس تہوار میں عورتیں ایدونیس کی موت پر ماتم کرتی تھیں اور بہار میں اس کی واپسی کی خوشی مناتی تھیں۔[18] مصر اور مغربی ایشیاء والے فنا اور حیاتِ نو، خاص کر نباتات کے نمو پانے اور مرجھانے کے سالانہ عمل کو اوسائی رس، تموز ، ایدونس اور اتیس کے ناموں سے پیش کیا کرتے تھے۔ جسے انہوں نے ایک ایسے دیوتا کا روپ دے رکھا تھا جو ہر سال مرتا اور جی اٹھتا۔ یہ رسمیں نام اور تفصیل کے لحاظ سے ہر جگہ یکساں نہ تھیں لیکن ان سب کا بنیادی عنصر ایک ہی تھا۔[19]

عیسائی عقیدے میں بھی یسوع مسیح کی قربانی، موت اور قیامت کے تصورات میں ایدونس جیسے کرداروں کا اثر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ داستان انسانی جذبات، قدرتی عناصر، اور کائناتی قوتوں کو سمجھنے کی ایک قدیم کوشش ہے، جو آج بھی ادب، فلسفہ اور ثقافتی مطالعات میں ایک اہم حوالہ بنی ہوئی ہے۔

ایدونس کے اسطور شام اور قبرص میں

ایدونسی دیوتا کی پرستش مغربی ایشیاء کے دو مقامات پر بڑی باقاعدگی کے ساتھ ادا کی جاتی تھی۔ ان میں ایک شام کے ساحل پر ببلس یا بلوس اور دوسرا قبرص یا پافوس تھا یہ دونوں مقامات اس کی پرستش کے بڑے مرکز تھے۔ اور یہ دونوں ایدونس کے باپ شاہ کینی راس کے زیریں نگیں تھے ان دونوں مراکز میں بلوس کو تقدم حاصل تھا۔ اسے فونیقیا کا سب سے قدیم شہر ہونے کا دعویٰ تھا جس کی بنیاد دنیا کے ابتدائی عہد میں مہا دیوتا ال کے ہاتھوں پڑی۔ اور اس ملک کی مذہبی حیثیت فونیقیوں کے مکے یا بیت المقدس کی سی تھے یہ شہر سمندر کے کنارے سطح مرتفع پر واقع ہے۔ اس میں عشترات کا بڑا مندر تھا اس عبادت گاہ میں ایدونس کی پوجا ہوا کرتی تھی بلکہ سارا شہر اس کی ادب گاہ تھا۔[20]

ایدونس شام میں

ایدونس کی کہانی صرف یونانی اساطیر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑیں شام اور فونیقیا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یونانی دیومالا میں اسے افرودیتی کا محبوب کہا جاتا تھا۔ لیکن اس کا اصل ماخذ مشرق وسطیٰ کی قدیم عبادات میں پایا جاتا ہے، جہاں وہ ایک زرخیزی کے دیوتا کے طور پر جانا جاتا تھا۔ ایدونس کی پرستش کی رسمیں شام کے ساحل پر ببلس یا ببلوس کے مقام پر بڑی باقاعدگی سے ادا کی جاتی تھیں۔ ایدونس کا نام سامی زبانوں سے ماخوذ ہے اور اس کی جڑیں "ادون"(Adon) سے ملتی ہیں، جس کا مطلب ہے "رب" یا "خدا"۔[21]

شام، لبنان اور فلسطین کے قدیم فینیقی اور کنعانی مذاہب میں ایک زرخیزی کا دیوتا "تموز"(Tammuz) یا "ادون" موجود تھا، جو بعد میں یونانی دیومالا میں ایدونس بن گیا۔[22] ایدونس کی پوجا خاص طور پر بیروت (لبنان)، ببلوس(Byblos) اور انطاکیہ (Antioch) میں کی جاتی تھی جہاں اس کے اعزاز میں تہوار منائے جاتے تھے۔

ایدونس اور عشترات

شام میں ایدونس کا کردار "تموز"(Tammuz) سے ملتا جلتا ہے، جو زرخیزی اور بہار کا دیوتا تھا اور ہر سال مر کر زیر زمین چلا جاتا پھر بہار میں زندہ ہو کر واپس آتا۔ اساطیری طور پر تموز کی محبوبہ عشترات جو افرودیتی کے مترادف ہے۔ جب تموز (ایدونس) مر جاتا تو عشترات اس کے لیے ماتم کرتی اور جب وہ واپس آتا تو خوشی منائی جاتی۔[23]

قدیم لبنان اور شام میں ببلوس (Byblos) ایدونس کا ایک اہم مذہبی مرکز تھا۔ بیروت کے قریب، ایک دریا بہتا تھا جسے "ایدونس ندی"(Adonis River) یا موجودہ "نہر ابراہیم" کہا جاتا ہے. ہر سال جب خزاں آتی ہے تو دریا کا پانی سرخ ہو جاتا تھا۔ قدیم لوگوں کا ماننا تھا کہ یہ ایدونس کے خون کا رنگ ہے، جو اس کی موت کا نشان تھا۔ جدید تحقیق کے مطابق دریا کا سرخ رنگ لبنان کی پہاڑیوں سے بہنے والی سرخ مٹی کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن قدیم لوگ اسے ایدونس کی موت کی علامت سمجھتے تھے۔[24]

ایدونس کا تہوار

شام، لبنان، اور فلسطین میں ایدونس کی موت اور دوبارہ زندگی کے اعزاز میں تہوار "ادونیا"(Adonia) منایا جاتا تھا۔ اس تہوار میں عورتیں ایدونس کے غم میں ماتم کرتی تھیں، بین گاتی تھیں اور اپنے بال کھول کر فریاد کرتی تھیں جیسے آج بھی بعض مشرقی ثقافتوں میں سوگ کے دوران کیا جاتا ہے۔ تہوار کا دوسرا حصہ خوشی اور جشن پر مشتمل تھا، کیونکہ ایدونس دوبارہ زندہ ہو کر بہار لاتا تھا۔[25]

ایدونس کی مشرق وسطیٰ میں مذہبی اور ثقافتی اہمیت

کنعانی، فونیقی اور شامی مذاہب میں زرخیزی کے دیوتا کی موت اور دوبارہ جنم کا تصور قدرتی تبدیلیوں (موسموں کی گردش، زراعت اور بارش کے چکر) سے جڑا ہوا تھا۔ ایدونس کی عبادت بعد میں مصری دیوتا "اوسائی رس" (Osiris) اور میسوپوٹیمیائی دیوتا "تموز" (Tammuz) کے نظریات سے جڑ گئی۔[26] بائبل میں بھی "تموز" کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کے کچھ گروہوں کے ذریعہ پوجا جانے والا ایک دیوتا تھا۔ بیروت، ببلوس اور نہر ابراہیم کے علاقے آج بھی ایدونس کے قصے سے جڑے ہوئے ہیں اور وہاں قدیم عبادات کے آثار موجود ہیں۔[27] ایدونس کا تصور وقت کے ساتھ عیسائیت میں اور اسلام میں بعض صوفیانہ روایات پر بھی اثر انداز ہوا۔

ایدونس قبرص میں

قبرص میں ایدونس اور افرودیتی کی پرستش کا بڑا مرکز پافوس تھا جو جزیرے کے شمال مغربی علاقے میں واقع تھا۔ پافوس کا شمار بہترین سلطنتوں میں ہوتا ہے یہ کہستانی علاقہ ہے پافوس قدیم میں افرودیتی کا مندر ایک مشہور ترین زیارت گاہ تھی۔

ھیروڈٹس کے مطابق

"مندر کی بنیاد ان فونیقی آبادکاروں نے رکھی تھی جو اسکالون سے آئے تھے۔ لیکن ہوسکتا ہے فونیقیوں کے آنے سے پہلے اس مقام پر بعلات یا عشترات سے ملتی جلتی زرخیزی کی کسی دیسی دیوی کی پرستش ہوتی ہو۔ اگر ان دونوں دیویوں کے بارے میں فرض کیا جائے تو یہ دونوں ماما اور ثمروری کی اس دیوی کی دو مختلف صورتیں تھیں جس کی پرستش کی رسم مغربی ایشیا کے طول و عرض میں قدیم ایام سے چلی آئی تھی۔ اس کا بت ایک سفید مخروط حرم پر مشتمل تھا۔ اس طرح ببلوس میں عشترات، پنفلیا کی دیسی دیوی، جسے یونانی ارتمیس کہتے تھے اور شام میں ایمیسا کے مقام پر سب کی علامت ایک مخروط تھا۔ مخروطی شکل کے پتھر ہی بتوں کا کام دیتے تھے۔"[28]

ایدونس کا دوسرا نام

کتبوں اور سکوں سے پتہ چلتا ہے کہ ستیم یا عبریوں کے کتیم میں سکندر اعظم کے عہد تک فونیقی بادشاہوں کی حکومت تھی۔ ان سامی آبادکاروں کا اپنے وطن کے اصنام کو بھی قبرص میں لے جانا قدرتی بات تھی وہ لبنانی بعل بت کے پرستار تھے جو ایدونس کا دوسرا نام تھا اور جزیرے کے جنوبی ساحل پر اماتھس میں انہوں نے ایدونس اور افرودیتی یا عشترات کی پرستش کی بنیاد ڈالی۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل مختلف قبیلوں میں بٹ گئے اور ہر

قبیلے نے اپنی علیحدہ علیحدہ سلطنت بنالی۔ بنی اسرائیل کے انہی قبائل میں سے ایک علاقہ لبنان کے اس حصہ میں آباد ہوگیا جہاں اب مشہور تاریخی شہر بعلبک کے کھنڈرات موجود ہیں۔[29]

"حضرت الیاس بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپؑ بنی اسرائیل کے احاب نامی بادشاہ کے ساتھ آئے اور اس کی بیوی کا نام ازبل تھا۔ وہ آپ کی بات سنتا اور تصدیق کرتا تھا حضرت الیاسؑ اس کے معاملات کو سلجھاتے تھے اس وقت بنی اسرائیل خدا کو چھوڑ کر بعل نامی بت کی پوجا کرتے تھے ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم سے سنا ہے کہ بعل دراصل ایک عورت تھی جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ حضرت الیاسؑ اور اس کی قوم کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک حضرت الیاسؑ پیغمبروں میں سے تھا۔ الیاس نے اپنی قوم سے کہا خدا سے ڈرتے نہیں ہو جو تم بعل نامی بت کی پوجا کرتے ہو اور اس کو چھوڑ چکے ہو جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔"[30]

جس کا ذکر سورہ الصّٰفٰت کی آیت ۱۲۵ میں ارشاد ہوا ہے:

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ [31]

ترجمہ: "کیا تم بعل کو پکارتے اور اسے پوجتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو۔"

" بعل کے لغوی معنی آقا، سردار اور مالک کے ہیں۔ لیکن قدیم زمانے کے سامی اقوام اس لفظ کو الٰہ یا خداوند کے معنی میں استعمال کرتی تھی۔ اور انہوں نے ایک خاص دیوتا کو بعل کے نام سے موسوم کر رکھا تھا لبنان کی فنیقی قوم کا سب سے بڑا دیوتا بعل تھا اور اس کی بیوی عشترات ان کی سب سے بڑی دیوی تھی۔ بابل سے مصر تک پورے مشرقِ وسطیٰ میں بعل پرستی پھیلی ہوئی تھی خصوصاً لبنان، شام اور فلسطین کی اقوام بری طرح اس میں مبتلا تھی۔"[32]

سامی بادشاہوں کا تعارف:

شاہ کینی راس:

" اگر ہم اس سامی بادشاہ کے نام سے اندازہ لگائیں جو کینی راس کہلاتا تھا وہ ایک بربط نواز بادشاہ تھا۔ اسم کینی راس کا یونانی لفظ (cinyra) سے تعلق بالکل واضح ہے۔ جس کے معنیٰ "چنگ" یا "بربط" کے ہیں اور یہ یونانی لفظ سامی (kinnor) کنور سے مشتق ہے یہ وہی لفظ ہے جس کا اطلاق اس ساز پر تھا جو حضرت داوٗدؑ نے طالوت کے سامنے بجایا تھا۔ بیت المقدس کی طرح پافوس میں بربط کی موسیقی سے خوش وقتی مقصود نہ تھی بلکہ یہ موسیقی عبادت کا جز تھی۔"[33]

کینی راس حسن و جمال میں مشہور تھا خود افرودتی نے اس کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھائیں تھیں۔ پافوس کے خانوادہ شاہی کے دو افراد سے افرودتی کی محبت کے ان افسانوں کو قبرص کے فونیقی بادشاہوں سے الگ نہیں کیا جاسکتا یہ بادشاہ بھی افرودتی کا عاشق تھا۔ پگ میلین کینی راس کا خسر، کینی راس ایدونس کا باپ اور پھر یہ

تینوں افرودتیی کے آشنا تھے۔ پافوس کے فونیقی سلاطین بادشاہ نہ صرف اس دیوی کے مدعی تھے بلکہ اس کے عاشق بھی تھے۔[34]

ایدونس

"ایدونس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قبرص پر حکومت کرتا تھا۔ اس جزیرہ کے تمام فونیقی بادشاہ ایدونس کے لقب سے مقلب تھے اس لقب کا مطلب صرف آقا یا مالک تھا۔ یہ قبرصی شہزادے محبت کی دیوی سے وابستہ نظر آتے ہیں۔"[35]

پگ میلین

"پگ میلین کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ (طبریہ) کے مشہور بادشاہ کا نام تھا جس کی بہن ڈیڈو بھاگ گئی تھی۔ پگ میلین ایک فونیقی نام تھا جو پمیا تھن نام کہلاتا تھا جس کو یونانیوں نے بگاڑ کر پگ میلین کر دیا۔ کار تھیج میں ایک قبر کی مطالوح پر فنیشیائی زبان میں ایک کتبہ بر آمد ہوا تھا جس میں پگ میلین اور عشترات کے نام ایک ساتھ ملتے ہیں۔ اور اس کتبے کا رسم الخط نہایت قدیم قسم کا ہے"[36]

شاہ کینی راس کے رائج کردہ دستور

پافوس میں جنسی تعلق کی بنیاد شاہ کینی راس نے ڈالی تھی اور اس کی لڑکیاں یعنی ایدونس کی بہنیں اس پر عمل پیرا تھیں ادنیٰ عورتوں کی طرح پافوس کی شہزادیوں کو بھی اس دستور کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ پافوس کے بادشاہ جس رسم میں دولہے کا روپ بھرتے تھے وہ اتنی قبیح نہیں تھی جتنی ایک مجسمے سے بیاہ کرنے کی بدعت پائی جاتی تھی۔

"پافوس کے بادشاہ کو مندر کی ایک یا ایک سے زائد داسیوں سے مباشرت کرنی پڑتی تھی جو اپنی ایدونس کے لیے افرودتیی کا کردار ادا کرتی تھی۔ ان مباشرت کے نتیجہ میں جنم لینے والے بچوں کو ثمر الوھیت کی حیثیت حاصل ہوتی اور وہ اپنے باپ کی طرح دیوی دیوتاؤں کے ماں باپ بن جاتے۔ وہ ساری عبادت گاہیں جہاں جنسی تعلق کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں الوھیت کی جیتی جاگتی انسانی صورتوں یعنی بیویوں، خواصوں، بسیواؤں کے بطن سے بادشاہ کی اولاد سے بھری رہتی ہوں گی۔ ان میں کوئی نہ کوئی غالباً بادشاہ کے بعد تختِ نشین ہو جاتا یا جنگ کی کسی ہنگامی صورت میں جب بادشاہ کی قربانی کی ضرورت پیش آتی تو اس کے صدقے میں قربان کر دیا جاتا۔"[37]

قبرص کے دستور

پہلا دستور: عصمت فروشی (جنسی تعلق)

عصمت فروشی کا معنی و مفہوم

عصمت عربی زبان کا لفظ ہے عصمت کا مادہ ع، ص، م ہے۔

1. مولوی فیروز الدینؒ کے مطابق:

" عصمت کے معنی پارسائی، پاکدامنی، پرہیز گاری اور بے گناہی کے ہیں۔ جبکہ عصمت فروشی کے معنی آبرو بیچنے کا عمل، جسم فروشی، رنڈی، کسبی اور طوائف کے ہیں۔"[38]

2. مولانا عبد الحفیظؒ کے مطابق: "عصمت کے معنی بچاؤ، گناہوں سے بچنے کا ملکہ۔"[39]

3. العلامة الجرجانی تقول: ان عصمت ملكه اجتناب المعاصى مع التمكن منها[40]

علامہ جرجانی فرماتے ہیں: "عصمت ایک ایسا ملکہ ہے جو انسان کو معصیت پر قدرت کے باوجود ان سے روکے یا بچائے۔"

عصمت فروشی (جنسی تعلق) کا دستور

قبرص کا پہلا دستور جو کہ عصمت فروشی (جنسی تعلق) کے متعلق ہے مختلف مقامات پر یہ دستور مختلف طریقوں سے رائج تھا۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. قبرص کے دستور کی رو سے وہاں کی تمام عورتوں کو اپنے بیاہ سے قبل دیوی کی عبادت گاہ کے اندر اجنبیوں کے ہاتھوں اپنی آبرو لٹانی پڑتی تھی۔ خواہ اس دیوی کا نام افرودتی، عشترات یا کچھ ہی رہا ہو اس رسم کا مقصد عیاشی نہ تھی بلکہ یہ دستور دیوی کی عبادت کے فرائض میں شامل تھا۔
2. اسی طرح بابل میں کیا امیر کیا غریب ہر عورت کو اپنی زندگی میں ایک مرتبہ مندر میں عصمت فروش (جنسی تعلق) کے لیے رہنا پڑتا تھا اس سے جو کچھ کماتی اسے دیوی ماتا کے نذر کرنا پڑتا۔
3. فونیقی مندروں میں عورتیں ایک مذہبی فریضے کے طور پر عصمت بیچا کرتی تھیں۔ ان کا یہ عقیدہ تھا اس طرزِ عمل سے دیوی خوش اور مہربان ہوتی ہے۔
4. عموریوں (کنعانیوں) کے ایک قانون کی رو سے ہر اس عورت کو جو بیاہی جانے والی ہو ضروری تھا کہ وہ مندر کے پھاٹک کے پاس سات دن بیٹھی رہے اور عصمت فروشی کرتی رہے۔
5. ببلوس میں لوگ ایدونس کے سوگ میں ہر سال اپنے سر منڈوا دیا کرتے تھے۔ جو عورتیں اپنے بالوں کی قربانی دینے سے انکار کرتیں تو انہیں اپنے آپ کو اس تہوار کے دوران کسی دن اجنبیوں کے سپرد کر دینا پڑتا اور ان کی کمائی سے دیوی پر نذر چڑھا دی جاتی
6. آرمینیا میں اعلیٰ گھرانے اپنی بیٹیوں کو ۲۹ دن کے لیے مندر جو ایکی لیزنیا کے مقام پر واقع ہے عبادت کے لیے بھیج دیتے۔ جہاں کنواریاں اپنے بیاہ سے قبل وہاں عصمت فروشی کرتیں ان لڑکیوں کے ایامِ عبادت ختم ہونے پر کسی شخص کو ان کے ساتھ بیاہ کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتی۔

''پونٹس میں کومانا کے مقام پر مقدس کسبیوں کی ایک کثیر تعداد '' ما '' دیوی کی عبادت کا فریضہ سرانجام دیتی۔ اور گردونواح کے شہروں اور دیہاتوں سے مرد عورتیں اس دیوی کے ششماہی جشنوں میں شریک ہوتے یا اپنی منتیں بڑھانے جوک در جوک آتے۔''[41]

ان کے نزدیک یہ عصمت فروشی فرائض عبادات میں شامل تھی جس پر عمل کرنا ان پر لازم تھا۔ اس سے عیاشی مقصود نہ تھی بلکہ دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود تھی۔ جبکہ عقلِ سلیم اس بات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی کیونکہ اس سے عورتوں کی عزتیں محفوظ نہیں ہیں اور اس فعل کو عبادت کا درجہ دے دینا تو سراسر غلط ہے کیونکہ اسلام میں عصمت فروشی کی سخت تردید کی گئی ہے۔ سورۃ الاسراء:۳۲اور سورۃ نور:۳۳میں زنا اور عصمت فروشی جیسے فعل کو اپنانے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ زنا کے رواج پانے سے پورا معاشرہ خراب ہو سکتا ہے اور اس کے بدترین اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ جس سے حسب و نسب کا نظام تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

دوسرا دستور: بادشاہت

قبرص کا دوسرا دستور خانوادہ شاہی کا سلسلہ تھا جو عورتوں سے چلتا تھا۔ بادشاہ کو تخت و تاج حاصل کرنے اور اس پر قائم رہنے کے لیے شہزادی سے بیاہ کرنا پڑتا تھا۔ بادشاہ کا کوئی لڑکا اپنی بہن راجکماری سے شادی کرتا تاکہ تخت و تاج کسی غیر شخص کے ہاتھ نہ لگے۔ اسی طرح ملکہ کے مرنے پر بادشاہ تخت و تاج سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوتا کیونکہ بادشاہت رشتہ ازدواج پر موقوف تھی۔ لہٰذا اگر بادشاہ اپنی بیوی کے مرنے کے بعد سلطنت کا سربراہ رہنا چاہتا تو اس کی صرف یہ صورت تھی کہ وہ اپنی بیٹی سے شادی کرے۔[42]

سامی مذاہب میں بادشاہت کا جو تصور پایا جاتا تھا وہ اسلامی اصولوں کے خلاف تھا کیونکہ ان کے مذاہب میں بادشاہ کو اپنی سلطنت قائم رکھنے کے لیے اپنی ہی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت تھی اور اس فعل کو ان کے مذاہب میں حلال اور جائز سمجھا جاتا تھا جبکہ اسلام اس فعل کی سخت مذمت کرتا ہے اور سورۃ نساء:۲۳ میں نسبی محرمات سے نکاح کرنے کو حرام قرار دیتا ہے۔

تجزیہ

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو تغیرات اور تبدیلیاں کائنات میں رونما ہوتی رہی تھی ان تبدیلیوں نے ہر دور کے انسان کو متاثر کیا اور اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ ان تبدیلیوں سے خوف زدہ ہو کر ان کو معبودوں کا درجہ دے کر ان کی پوجا شروع کر دی اور اپنی زندگی کا سارا دارومدار انہی کو سمجھ لیا اور پھر رفتہ رفتہ سحر کی طرف مائل ہوئے تاکہ وہ ان تغیرات کو اپنے قابو میں کر سکیں۔ ایدونس بادشاہ اور اس کی بیوی افرودیتی ان کے لیے دیوی دیوتا تھے۔ ایدونس کے مختلف ملکوں میں مختلف نام تھے اور ان کے بت بنا کر ان کی پوجا کی جاتی تھی شام اور قبرص

میں دیوی دیوتا کی خوشنودی کے لیے عصمت فروشی (جنسی تعلق) اور زنا جیسے برے فعل کیے جاتے تھے اور ان کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ بادشاہت کے نظام میں بادشاہ کو تخت و تاج حاصل کرنے اور قائم رہنے کے لیے اپنی بہن راجکماری سے شادی کرنی پڑتی تھی تاکہ بادشاہت کسی غیر کو نہ مل جائے کیونکہ بادشاہت رشتہ ازدواج پر ہی موقوف تھی اس لیے بادشاہ اپنی بیوی کے مرنے بعد سلطنت کا سربراہ رہنے کے لیے اپنی بہن سے شادی کرتا تھا سر جیمز جارج فریزر کا کہنا یہ ہے کہ مختلف اقوام کے مذاہب کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ تفصیلی تفریق کے باوجود ان کے بنیادی اصول ایک دوسرے سے بہت حد تک مشابہ ہیں اور اس سے زیادہ یہ کہ وہ ایک دوسرے پر روشنی ڈالتے ہیں لیکن میں سر جیمز کی اس بات سے متفق نہیں ہوں کیونکہ شام اور قبرص میں جو اساطیر اور رسم و رواج پوئے جاتے ہیں وہ اسلامی اصولوں کے سراسر خلاف ہیں اور جو اسلامی تعلیمات اور نظریات سے یکسر مختلف اور الگ ہیں۔ ایک مسلمان ہونے کے ناطے میں سر جیمز کی اس رائے سے اتفاق نہیں کروں گی کہ شام اور قبرص کے رسم و رواج اور نظریات اسلام سے کسی بھی حد تک مماثلت نہیں رکھتے کیونکہ اسلام میں تو عصمت فروشی (جنسی تعلق) کی ممانعت کی گئی ہے اور محرم کا آپس میں نکاح بھی جائز نہیں ہے اور بادشاہت کا تصور بھی اسلام کے منافی ہے کیونکہ اسلام شورائیت کا درس دیتا ہے۔

نتائج تحقیق:

1. جاہلیت کے دور میں سب سے بڑی کمزوری خوف تھا، جس کی وجہ سے لوگ وحشیانہ زندگی بسر کرتے اور جادوئی عقائد و رسومات کی طرف مائل ہوتے گئے۔
2. انسانی تہذیب کے آغاز میں طاقتور افراد نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے مذہبی عقائد اور رسم و رواج کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھالنا شروع کیا۔
3. مذہبی طبقے کو سب سے زیادہ معتبر سمجھا گیا، لیکن کچھ حلقوں نے اسے ذاتی فائدے کے لیے استعمال کیا اور اصل مذہبی تعلیمات سے ہٹ کر نئی تشریحات کیں۔
4. جاہلیت کی تہذیب میں بادشاہت طاقت، نسب اور وراثت کی بنیاد پر تھی، جبکہ اسلامی نظام میں اہلیت اور انصاف کو بنیادی حیثیت دی گئی۔
5. جدید دور میں بھی بہت سے لوگ اپنے آباؤاجداد کے عقائد کو بغیر تنقیدی جائزے کے اپنانے پر قائم ہیں۔

سفارشات

1. انسانی ارتقاء اور اس کی ترقی کے بارے میں آگاہی دلائی جائے کہ کس طرح انسان جاہلیت سے نکل کر ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

2. دنیا میں موجود تہذیبیں اپنے اندر جو رسوم اور اعتقاد رکھتی تھیں ان کی ابتدااور ترقی کے سفر کی مشکلات اور ترقی کے راز کی آگاہی دی جائے۔
3. مذہب کی اہمیت اور اس کا پرانی تہذیبوں سے موازنہ کیا جائے تا کہ عام لوگوں کا یقین مذہب کے بارے میں پختہ ہو۔
4. یورپ کا ماضی جاہلیت کا پیشِ خیمہ تھا وہاں مذہب ہی نے آکر ان میں شعور پیدا کیا جو کہ آج ترقی یافتہ تہذیب کی شکل اختیار کر گیا ہے۔
5. لوگوں کو شعور دینے کی ضرورت ہے کہ وہ کسی خوف کی وجہ سے کسی کا اقتدار قبول نہ کریں جیسے دورِ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا۔
6. آج اگر ہمیں جاہلیت سے نکلنا ہے تو ہمیں اسلامی تعلیمات کو اپنانا ہو گا جو ہمیں امن، محبت، احساس اور اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔
7. بادشاہت کا حق طاقت ور کی بجائے صلاحیت اور اہلیت رکھنے والے شخص کو ملنا چاہئے۔

حوالہ جات

1 Jaques Waardenburg,Classical Approaches to the Study of Religion.Aims,Methods and Theories of Rearch,vol.1:Introduction and Anthology,New York,Walter de Gruyter,1999,P:244.

2 Ackerman,Robert,J.G.Frazer:His life and work,New York,Cambridge University Press,1987,p:189-

3 Vickery,John.B,The Literary Impact of the Golden Bough,Princeton University Press,New Jersey,1973,p:276

4 Karbiener,George Stade,Encyclopedia of British Writers,1800 to the Present, Vol.02 Infobase Publishing,page.188-190.

5 Frazer,James George,The Golden Bough.A Study in Magic and Religion,Part 1:The Magic Art and the Evolution of Kings.Vol.1,London,The Macmillan press,1890,page:205.

6 Leach, Edmund. Political Systems of Highland Burma: A Study of Kachin Social Structure. Harvard University Press,1954,page:102.

7 Frazer,,The Golden Bough.A Study in Magic and Religion,Part 1:.Vol :2,London,The Macmillan press,1890,page:712.

8 Frazer,The Golden Bough,1890,page:345.

9 Abid,page:567.

10 Abid:page:223.

11 Eliade, Mircea , The Sacred and the Profane: The Nature of Religion, Houghton Mifflin Harcourt ,1959,page: 156.

12 الفرقان:۵

13 Baudissin,Wolf Wilhelm,Studien Zur Semitischen Religionsgeschichte,1878,German,p:299.

14 Antoninus Liberalis,The Metamorphoses of Antoninus Liberals: A Translation with Commentary,France,1992,P:34.

15 Frazer,The golden Bough,1922,P:395-396.

16 Robertson, Noel. Religion and Society in Ancient Greece. New York: Oxford University Press, 1983,P: 112.

17 Frazer,The Golden Bough,1922,p:390-391.

18 Eliade, Mircea. Myth and Reality. Translated by Willard R. Trask. New York: Harper & Row.1963,P:98.

19 Frazer,The golden Bough,1890,P:03-04.

20 Abid,P:08-09.

21 James B. Pritchard, "The Ancient Near East: An Anthology of Texts and Pictures", Princeton University Press, 1958, p. 144.

22 Sabatino Moscati, The World of the Phoenicians, Phoenix Press, 2001, p. 124.

23 Jean Bottéro, Religion in Ancient Mesopotamia, University of Chicago Press, 2001, p. 82.

24 Philip K. Hitti, History of Syria,London, Macmillan, 1951, p. 125.

25 Mircea Eliade, A History of Religious Ideas, Vol. 1, University of Chicago Press, London, 1978, p. 244.

26 Frazer, The Golden Bough, 1922, P:389.

27 John Day, Yahweh and the Gods and Goddesses of Canaan, Sheffield Academic Press, 2002, p. 142.

28 Frazer, The Golden Bough,1890, P:12.

29 Frazer The Golden Bough,1890,P: 13

30 الطبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری، اردو بازار کراچی، ۲۰۰۴ء، ج:۱، ص:۲۹

31 الصّٰفّٰت:۱۲۵

32 مودودی، تفہیم القرآن، ج:۴، ص:۳۰۴

33 Frazer,The Golden Bough,1890,P:14.

34 Ovid. Metamorphoses. Translated by A.D. Melville, Oxford World's Classics, Oxford University Press, 1986. (Book 10, lines 298–518.

35 Frazer,The Golden Bough,1890,P:08.

36 Abid: P:19.

37 Frazer,The Golden Bough,1890,16.

38 فیروز الدین، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۹۵۰

39 بلیلاوی، عبد الحفیظ، مصباح اللغات، اردو بازار لاہور، ۱۹۵۰ء، ص ۵۵۷

40 الجرجانی، علی بن محمد، معجم التعریفات، دار الفضیلہ، قاہرہ، ۱۳۰۶ھ، ص:۱۲۷

41 Frazer, The Golden Bough, 1890,17–20.

42 Frazer, The Golden Bough,1890, P:20-22.